مولانا برہان الدین سنبھلی

قسط دوم

شاہ ولی اللہ کا قرآن مجید کی تعلیم

اور

تفہیم میں حصہ

(ایک مختصر و محدود دائرہ)

قرآن حکیم کے ان علوم خمسہ میں غالباً سب سے زیادہ اہم علم "علم مخاصمہ" ہے کہ اسی پر فرق باطلہ کے عقائد کی تردید اور صحیح عقیدہ کا اثبات موقوف ہے۔ یہ موضوع بظاہر اگرچہ عام اور ہمیشہ سے علمار و مصلحین کے زیر بحث رہا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اس میں بھی شاہ صاحب کی انفرادیت و عبقریت نمایاں اور ان کی روش دوسروں سے ممتاز نظر آتی ہے توحید و شرک کے حدود و فروق پر اگرچہ شاہ صاحب کے پیش رو بہت سے ممتاز ترین علمار نے بھی کلام کیا ہے۔ اور بعض کا تو خاص موضوع یہی رہا ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ شاہ صاحب کے بیان سے توحید و شرک کی حقیقت جس طرح منقح ہو کر سامنے آتی ہے اور کسی عالم کے بیان سے اس سے پہلے نہیں آئی۔

الفوز الکبیر میں تو یہ بحث مختصر گویا اجمالی اشارات کے انداز میں ملتی ہے۔ مگر اس کی پوری توضیح و تفصیل خود شاہ صاحب نے ہی حجۃ اللہ کے مباحث توحید و شرک میں کر دی ہے۔ یہاں اختصار کے ساتھ اسی بحث کو پیش کرنا مقصود ہے

شاہ صاحب نے توحید کے چار مراتب قرار دیئے ہیں۔

(۱) خداوند تعالیٰ کا وجود ہی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اس کے علاوہ کوئی اور ایسا نہیں ہے۔

(۲) آسمان و زمین نیز تمام بنیادی مادوں (جواہر) کی تخلیق بھی تنہا اسی ایک ذات نے کی ہے۔

(۳) زمین و آسمان کے درمیان (پورے عالم میں) جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ بھی تنہا اسی کے ارادۂ قدرت سے ہوتا ہے جسے وہ "تدبیر السموات والارض وما بینہما) سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۴) عبادت (غایت درجہ تعظیم) کا خداوند تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی مستحق نہیں ہے۔

شاہ صاحب نے دلائل کے ساتھ یہ بھی ثابت کیا ہے کہ قرآن نے جن کو مشرک قرار دیا ہے۔ یعنی مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو پہلے دو مرتبوں میں شرک کرتا ہو۔ کیونکہ خود قرآن مجید نے اس بارے میں صراحت

کی ہے کہ مشرکین بھی پہلے دو مرتبوں میں کسی کو خدا کا شریک نہیں مانتے تھے بلکہ تنہا خداوند تعالیٰ ہی کی ذات میں ان صفات کو منحصر سمجھتے تھے مثلاً قرآن نے کہا ہے۔

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ یا وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّن نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ

بلکہ شاہ صاحب تو اس سے آگے بڑھ کر یہ بات بھی بڑے جزم سے فرماتے ہیں کہ ان دو مرتبوں کو آسمانی کتابوں میں زیر بحث لایا ہی نہیں گیا ہے۔ کیونکہ گذشتہ زمانہ میں بھی سب کے یہاں جب یہ تسلیم شدہ حقیقت تھی تو پھر اسے ثابت کرنے یا اس کو منوانے کی غرض سے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

وهاتان المرتبتان لم تبحث الكتب الالهية ولم يخالف فيهما مشركوا العرب ولا اليهود ولا النصارى بل القرآن ناص على انهما من المقدمات المسلمة عندهم (حجۃ اللہ ص ۵۹ ج ۱)

البتہ بعد کے دو مرتبوں میں تدبیر و عبادت میں وہ لوگ شرک کرتے تھے۔ اور وہ قیاس الغائب علی الشاہد کے طور پر یہ سمجھتے تھے کہ جس طرح دنیا کا کوئی شہنشاہ اپنے کسی خادم یا ملازم کو اس کی اطاعت اور حسن کارکردگی پر خوش ہو کر کسی علاقے کا خود مختار حکمران بنا دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ شہنشاہ اس علاقے کے جزوی معاملات میں عموماً دخل نہیں دیا کرتا (اگرچہ دے سکتا ہے) اسی طرح خداوند تعالیٰ نے بھی اپنے بعض بندوں کو ان کی اطاعت و عبادت سے بہت زیادہ خوش ہو کر بعض تکوینی معاملات میں خدائی اختیارات دے دئے ہیں۔ اب وہ بندے اس محدود دائرہ میں خود مختار ہیں۔ اور وہ اسی طرح تصرف کرنے کے خدا کی طرف سے عطا کردہ اختیارات کی بنا پر قادر ہو گئے ہیں جیسا کہ بڑے پیمانہ پر خود اللہ تعالیٰ ہے۔ شاہ صاحب نے اس کے لئے "کن فیکونی قدرت" کی تعبیر اختیار فرمائی ہے۔ یعنی ان مزعومہ خدائی اختیار رکھنے والے، افراد کے محض ارادہ یا مجبور راضی ہونے (یا ناراض ہونے سے بھی) بغیر کسی عادی و ظاہری سبب کے اختیار کئے ہوئے تکلیف و حوادث اور خوش کن واقعات وجود میں آجاتے یا آسکتے ہیں۔ اسی عقیدہ کی بنا پر انہیں راضی رکھنے اور ان کی ناراضگی سے بچنے کے لئے بزعم خویش، مشرکین ان کی عبادت کرتے اور ان سے استعانت، اسباب و وسائل کے بغیر کام بنانے کی قدرت مان کر مدد طلب کرتے ہیں (استعانت در امور ضروریہ بقدرہ "کن فیکون" ایشان تجویز می نمودند (الفوز الکبیر)

دراصل تدبیر و عبادت لازم و ملزوم ہیں جو بھی خداوند تعالیٰ کے علاوہ کسی کو مدبر (یعنی کن فیکونی قدرت کا مالک) مانے گا وہ ضرور اسے راضی رکھنے کے لئے اس کی غایت درجہ تعظیم جس کا معروف نام عبادۃ ہے کرے گا۔ پھر اسی سے استعانت کرے گا۔ یہیں سے ایاک نعبد وایاک نستعین میں بیان کردہ استعانت و عبادۃ کا تلازم اور خداوند تعالیٰ ہی کی ذات میں دونوں کے انحصار کی وجہ بھی معلوم ہو جاتی ہے۔

شاہ صاحب نے یہیں پر بزرگ پرستی سے بت پرستی کی طرف ترقی کی بھی بہت حکیمانہ توجیہ ذکر فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ جب مشرکین نے کچھ لوگوں کو الوہی اختیارات کا مالک سمجھ لیا تو ان کی یادگار کے لئے انہیں کے ناموں پہ پتھر وغیرہ کے بت بھی بنا لئے۔ ابتداءً بتوں کو صرف قبلۂ توجہ سمجھا گیا۔ پھر رفتہ رفتہ بعد کی نسلوں نے فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے پتھر کی مورتیوں کو ہی اصلی معبود قرار دے دیا۔

فنحتوا على اسماءهم احجارا وجعلوها قبلة عند توجهم الى هؤلاء فخلف من بعدهم خلف فلم يفطنوا للفرق بين الاصنام وبين من هي على صورة فظنوها معبودات باعيانها (حجۃ اللہ البالغہ ص ۵۹ / ۱۶۰)

شرک وتشبیہ کی بحث کے دوران شاہ صاحب نے اپنی اسی مختصر کتاب "الفوز الکبیر" میں یہود ونصاریٰ، ستارہ پرستوں وغیرہ کی بنیادی فکری غلطیوں کی نشاندہی میں بڑی ہی وقت نظری اور وسعت مطالعہ کا ثبوت دیا ہے۔ یہ پوری بحث اس لائق تھی کہ یہاں پیش کی جاتی مگر قلت وقت اور مقالہ کا حجم نیز آپ حضرات کے اوقات کی گراں قدری مزید گفتگو سے مانع ہے۔

قرآن فہمی میں مدد دینے والی ایک حد تک بلکہ بڑی حد تک ایک ضروری چیز آیات کا شانِ نزول بھی ہے۔ کیونکہ بہت سی آیات کا مطلب بغیر اس کے سمجھنا ممکن ہی نہیں۔ مگر اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ عام کتب تفسیر میں اور اسی موضوع پر موجود متعدد مستقل کتابوں میں جس کثرت سے آیات کے شانِ نزول کا ذکر ملتا ہے اور جو بسا اوقات قرآن مجید کے صحیح مطالب تک رسائی کے لئے حجاب بن جاتا ہے۔ کیا وہ سب شانِ نزول بھی اسی قبیل کے ہیں کہ جن کے بغیر آیات کا مفہوم نہیں سمجھا جا سکتا؟ اور جب متعدد شانِ نزول بیان کئے گئے ہوں تو قاری کا ذہنی انتشار میں مبتلا ہونا طبعی ہے۔ تو کیا ان سب کا جاننا بھی قرآن فہمی کے لئے ضروری ہے؟ شاہ صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں ان سوالات کا جواب دینے اور اس الجھن کو رفع کرنے کے بڑے ہی کارگر طریقے بتا دیے ہیں۔ اور واضح کر دیا ہے کہ کتب تفسیر میں بیان ہونے والے تمام شانِ نزول یکساں نہیں ہیں۔ پھر اس سلسلے میں چند بہت ہی اہم اصولوں کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ سب کا ذکر اس مختصر مقالہ میں ظاہر ہے کہ نہیں ہو سکتا۔ بس ایک کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

صحابہ اور تابعین عام طور پر جاہلیت کے زمانہ کی بعض عادات، یا مشرکین ویہود وغیرہ کے بعض واقعات بیان کرکے عموماً یہ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں آیت کا اس بارے میں نزول ہوا تو مطلب یہ نہیں ہوتا کہ بعینہ اس واقعہ کے پیش آنے کے بعد آیت اتری بلکہ ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس جیسی صورت حال کے بارے میں اس آیت یا ان آیات سے راہنمائی ملتی ہے۔

قرآن مجید کا مطالعہ کرنے کے لئے ناسخ ومنسوخ آیات کی بحث بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اور اس بارے میں متقدمین ہی سے اختلافات چلے آرہے ہیں۔ فی نفسہ نسخ واقع ہونے نہ ہونے سے لے کر آیات منسوخہ کی تعداد

تک کے بارے میں اتنے زیادہ اختلافات کا ذکر کتب تفسیر میں ملتا ہے کہ عام قاری کا مشوش ہو جانا مستبعد نہیں مگر شاہ صاحب نے اس مشکل کو اس طرح حل فرمادیا ہے کہ اس سے نہ صرف یہ کہ اختلافات کا مبنیٰ معلوم ہو جاتا ہے بلکہ اختلافات کی اہمیت اور اس کی وجہ سے پیدا ہو جانے والی الجھنیں بھی ختم ہو جاتی ہیں۔ شاہ صاحب کے نزدیک یہ اختلافات حقیقی نہیں بلکہ گویا لفظی یا یوں کہہ لیجئے کہ ناسخ و منسوخ اصطلاحات کے مختلف ہونے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی وضاحت وہ اس طرح فرماتے ہیں کہ:۔

متقدمین کے نزدیک ایک آیت کا دوسری آیت سے ادنیٰ درجہ میں متاثر ہو جانا بھی (مثلاً عام کا خاص، یا مطلق کا مقید ہو جانا۔ بلکہ ایک آیت سے جو معنی متبادر ہو رہے ہیں اگر دوسری آیت سے صرف اس تبادر پر اثر پڑا تو بھی ان کے نزدیک) نسخ کہلاتا ہے۔ اس تعریف کی رو سے ان کے نزدیک آیات منسوخہ کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی۔ لیکن متاخرین کے نزدیک کوئی آیت اسی وقت منسوخ کہلاتی ہے جب کہ اس کے اندر بیان کردہ حکم کو پوری طرح دوسری آیت تبدیل کر دیتی ہو۔ پھر اس میں بھی نقطہ نظر کے فرق سے یہ اختلاف ہے کہ واقعتاً قرآن میں کوئی ایسی آیت کہ جس کا کوئی بھی اثر سوائے تلاوت کے مشروع ہونے کے باقی نہ رہا ہو۔ انہوں نے آیت منسوخہ کی قرآن مجید میں موجودگی سے انکار کر دیا۔ لیکن جنہوں نے یہ اصول طے کر لیا کہ متبادر طور پر مفہوم ہونے والا کسی آیت کا مرکزی حکم اگر دوسری آیت سے بدل گیا ہو تو وہ منسوخ کہی جائے گی۔ اور پھر انہوں نے دیکھا کہ بعض آیات پر یہ بات صادق آرہی ہے تو انہوں نے ایسی آیات کو منسوخ قرار دے دیا۔

شاہ صاحبؒ کا جو نقطہ نظر الفوز الکبیر میں ظاہر ہو رہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں منسوخ آیات کی تعداد کل پانچ ہے۔ مگر حکمت ولی اللہی کے ایک بہت بڑے عارف و شارح مولانا عبیداللہ سندھی کی تحقیق یہ ہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک حقیقۃً ایک بھی آیت منسوخ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے ان آیات منسوخہ کو بھی غیر منسوخ قرار دیا ہے۔ جو اکثر و بیشتر علماء کے نزدیک منسوخ تھیں اور ایسی آیات کے منسوخ نہ ہونے کی توجیہ بیان کر دی ہے جن کی توجیہ بہت مشکل تھی۔ موصوف کا یہ بھی کہنا ہے۔ کہ شاہ صاحب نے پانچ آیتوں کے منسوخ ہونے کی بات مصلحۃً بیان فرمائی ہے۔ (کہ معتزلہ سے تشابہ نہ ہو جائے۔ کیونکہ وہ کلیتہً انکار کرتے تھے) اور جن آیات کو شاہ صاحب نے منسوخ مانا ہے ان کے غیر منسوخ ہونے کی توجیہ بہت آسان ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک آیت کی توجیہ مولانا سندھی نے ذکر بھی کی ہے[1] لیکن یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا بھی شاید بے محل نہ ہو گا کہ جن علماء نے قرآن مجید کی آیات کے منسوخ ہونے کا انکار کیا ہے وہ اس لئے نہیں کیا کہ نسخ، ماننا کوئی عیب یا نقص کی بات ہے

---

[1] "الفرقان" شاہ ولی نمبر ص ۲۵۷۔

جیسا کہ آج کل بہت سے متنورین خیال کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک نسخ کی تعریف جب متحقق ہی نہیں ہوئی تو منسوخ آیات کے وجود سے انکار کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا تھا۔

آخر میں جلیل القدر علماء اور فضلاء کے اس مجمع میں اپنی معروضات پیش کرنے کی جسارت اور حسنِ استماع پر پیش کرتے ہوئے ایک دلی خلش کا اظہار کر دینے کی بھی جرأت کر رہا ہوں وہ یہ کہ ہم سب کو بالخصوص آپ جیسے فضلاء و مفکرین اور ممتاز تعلیمی اداروں کے ذمہ داروں کو اس حقیقت (جو اگرچہ بہت تلخ ہے مگر اس کا انکار بداہیت کا انکار ہوگا) پر غور کرنا ضروری ہوگا۔ کہ عرصہ سے ہماری ممتاز درس گاہیں بھی ایسے فضلاء تیار کرنے سے کیوں قاصر نظر آرہی ہیں جو شاہ صاحب جیسی کسی کتاب کا پیش کرنا تو در کنار، ان کی کتابوں کو پورے طور پر سمجھنے کے بھی لائق ہوں اور میری تلخ نوائی کو معاف کیا جائے تو یہ بھی عرض کر دوں کہ موجودہ دور میں فارغ ہو کر نکلنے والے فضلاء کی اکثریت رازی و بیضاوی ہی کی نہیں ابن ہمام اور آلوسی کی کتابوں کے پوری طور سمجھنے میں بھی سخت مشکلات محسوس کرتی ہے اور اسی وجہ سے ان کے مطالعہ سے گریزاں نظر آتی ہے۔ اور اب بات مشکل مضامین ہی کی نہیں آسان مضامین کے بھی ایسی کتابوں سے اخذ کرنے کی صلاحیت سے بالکلیہ نہیں تو بڑی حد تک محرومی کے خطرہ تک جا پہنچی ہے۔ جو آسان بلکہ دلچسپ نہ ہوں۔ حالاں کہ ہمارے فضلاء ہی اسلاف کے سرمایہ کو خواہ وہ کیسے ہی مشکل اور غیر دلچسپ زبان و اسلوب میں ہو۔ آسان اور دلنشیں پیرایہ میں منتقل کر کے عوام کے قابلِ استفادہ بنانے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اگر یہ کام مدارس کے فضلاء بھی نہیں کر سکے تو پھر کون ہے جو اس کا اہل ثابت ہوگا۔ اس طرح اپنی تاریخ مجید ہی سے نہیں اسلاف کے گراں قدر ذخیرہ سے محرومی اور اس کے نتیجہ میں عظیم خسارہ سے دوچار ہونے کے علاوہ اور کوئی راستہ ہمارے لئے نہ رہ جائے گا اور شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا۔ کہ ترکی میں رسم الخط کے بدلنے سے اچانک جس خسارہ سے پوری قوم دوچار ہو گئی۔ ہماری علمی نسل رفتہ رفتہ چھوٹے پیمانہ پر اسی میں مبتلا ہوتی جارہی ہے بلکہ معتد بہ حد تک ہو بھی چکی ہے۔

آج جب کہ ہم مدارس کے نظام و نصاب تدریس کے بارے میں غور و فکر کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں تو اس اہم مسئلہ پر غور کرنا ناچیز کے خیال میں اولین درجہ پر ضروری ہے۔ اور اگر ہم اس کا حل تلاش کرنے اور "سہل پسندی" کی عام بیماری کا علاج دریافت کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تنہا یہی کام ہمارے اجتماع کی عظیم کامیابی قرار پانے کا یقیناً مستحق ہوگا۔

اللھم وفقنا لما تحبہ وترضاہ وسدد خطانا واھدنا الی سواء الصراط

بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے

"لباس التقویٰ ذٰلک خیر"

گل احمد ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ